اُردو تحقیق وتدوین کی ایک فیض رساں شخصیت

ڈاکٹر شازیہ عنبرین رانا*

Abstract:
This research article is about the contributions of the Maulvi Abdul Haq in the field of research and editing. No doubt he was a remarkable researcher, linguist, Lexicographer and editor in his age. He edited and published many ancient texts of old Urdu like Sub Rus, Qutub Mushtari , Mairajul Aashaqeen, Darya-e-Lataft. He also arranged valuable lexicon as well. This article reflects his great devotion to Urdu Literature.

مولوی عبدالحق ایک متنوع اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے ان کی ساری زندگی اُردو اور انجمن ترقی اُردو کی خدمت میں گزری انہوں نے اُردو زبان کے الفاظ فروغ اور اُردو زبان وادب کے ارتقاء کیلئے جو عملی کام کیے وہ تاریخ زبان وادب کا ایک روشن باب ہیں۔ مولوی عبدالحق اپنی ذات میں ایک تحریک ایک ادارہ تھے جس نے ایک عالم کو مستفید اور متاثر کیا اُردو زبان وادب کی ترویج اور اشاعت کے سلسلے میں آپ کی خدمات اتنی وسیع اور مختلف النوع ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا آسان کام نہیں۔ انہوں نے اتنی یکسوئی، دھن اور لگن کے ساتھ اُردو زبان وادب کی خدمت کی کہ خادم سے مخدوم بن گئے اور 'بابائے اُردو' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

درمیانہ قد، کتابی چہرہ، ذہین آنکھیں، سفید داڑھی، داڑھی کی ہم رنگ شیروانی، دہلی کی سلیم شاہی جوتی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس مولوی عبدالحق 'مولویت' کے سخت خلاف تھے اُن کا خمیر عمل، ولولے اور اُمنگ کی مٹی سے گندھا تھا وہ 'کامی' آدمی تھے۔ کام سے اُنہیں عشق تھا وہ مختلف قسم کے کام بیک وقت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے تھے۔ اُس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ کام کو وبالِ جاں نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُس میں ایک روحانی مسرت محسوس کرتے تھے۔ بقول مولوی عبدالحق:

> ''کام اُس وقت ہوتا ہے جس اُس میں لذت آنے لگے بے مزہ کام، کام نہیں
> _____ بیگار ہے۔''[۱]

مولوی عبدالحق کو کاہلی سے شدید نفرت تھی ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا کے سب انسان نیک ہیں سوائے کاہل آدمی کے:

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

''کاہلی جرم ہے، گناہ ہے، عطیہ الٰہی سے انحراف اور کفران نعمت ہے۔ یاد رکھیے کہ جو اقوام یا افراد کام کرنے سے ہچکچاتے اور محنت سے جی چراتے ہیں انہیں کبھی آزادی نصیب نہ ہوگی۔ وہ ہمیشہ غلام رہیں گے، اگرچہ ان کے ہاتھوں میں آزادی کے منشور کیوں نہ ہوں۔ کام سے انسانیت آتی ہے سیرت اور اخلاق بنتے ہیں۔ ظاہر و باطن کی اصلاح ہوتی ہے۔ ہم جان دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس میں پتہ مارنا پڑتا ہے عزیز اشغال اور محبوب عادتوں کو ترک کرنا پڑتا ہے۔''[۲]

ایسے لوگ ہماری ادبی تاریخ میں بہت کم گزرے ہیں جنہوں نے کام کو ہی مقصد حیات قرار دیا ہو اور اپنی عمر کی آخری منزل میں پہنچ کر بھی اتنے جوشیلے اور انقلابی رہے ہوں جتنے مولوی عبدالحق تھے۔ مولوی عبدالحق ساری زندگی منصب، مشاہرہ اور معاوضہ _____ ان ساری چیزوں سے بے نیاز رہے۔ انہوں نے کبھی کوئی کام ذاتی غرض سے نہیں کیا۔ ان کی زندگی کا صرف ایک مشن تھا کہ کس طرح اردو زبان کو فروغ دیا جائے۔ اُردو کا بول بالا ہو۔ اس مشن کو کامیاب بنانے کے لیے انہوں نے اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔ ان کی زندگی بے نیازی، بے غرضی، ایثار اور قربانی کی ہمیشہ زندہ رہنے والی مثال ہے۔ تمام عمر انہوں نے اپنا کوئی ذاتی مکان یا جائیداد نہیں بنائی۔ جو کچھ کمایا، جو کچھ جمع کیا سب انجمن کی نذر کر دیا۔ اہل و عیال کی ذمہ داریوں سے آزاد تنہا زندگی گزاری۔ کہا کرتے تھے۔

''میں نے تو اردو زبان سے عین جوانی میں ہی شادی کر لی تھی۔ اب اردو ہی میری بیوی ہے اور یہی میرے بچے۔ بس اس کی خدمت سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔''[۳]

مولوی صاحب نے ۱۹۱۲ء میں انجمن ترقی اردو' کے معتمد کا عہدہ سنبھالا اور پھر اس عہدے کی ذمہ داری کو ایسا نبھایا کہ انجمن ان کی زندگی کا اہم ترین مقصد بن گئی۔ انہوں نے ملک کے مختلف مقامات بنگال، بہار، اتر پردیش، سندھ، کشمیر، گوالیار صوبوں کے علاوہ جنوبی ہند میں مدراس، آندھرا پردیش، شمالی ارکاٹ، جنوبی ارکاٹ، تامل ناڈ اور ٹراونکور [۴] کے دورے کئے اور اردو میں تقریریں کیں، لوگوں کو اردو کی امداد کے لئے آمادہ کیا۔ جہاں انجمن کی شاخیں نہیں تھیں وہاں شاخیں قائم کی۔ دارلمطالعے قائم کئے۔ اس طرح مولوی صاحب نے ہندوستان میں انجمن ترقی اردو کی شاخوں کا جال بچھا دیا۔ اردو یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (۱۹۱۹ء) اور دارلترجمہ جامعہ عثمانیہ

(۱۹۱۷ء) کا قیام بھی مولوی صاحب کا ایک اہم کارنامہ ہے۔۱۹۲۴ء میں مولوی صاحب نے انجمن ترقی اردو کا 'اردو پریس' بھی قائم کر دیا جہاں سے قدیم دکنی مخطوطات کے علاوہ دیگر کتب و رسائل بھی شائع کئے جاتے تھے۔ اردو ٹائپ کو خوشنما بنانے کے لئے مولوی عبدالحق نے مختلف پریس اور کمپنیوں سے خط و کتاب بھی کی اور نستعلیق ٹائپ کے لئے باقاعدہ ایک کمیٹی ''مجلس اردو'' کے نام سے قائم کی۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''میں نے اُردو نستعلیق ٹائپ کے متعلق لند ٹائپ کمپنی سے گفتگو کی تھی وہ کہتے ہیں کہ ہم اُردو نستعلیق کے لیے لند ٹائپ تیار کر دیں گے ان کے لیے بعض جوڑوں میں تبدیلی کرنی پڑی۔ 'ج' اور 'ع' کا پورا دائرہ اس ٹائپ میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے ان دائروں کو کم کرنا پڑا۔ ان کی دو صورتیں ہیں اور وہ دونوں صورتیں لکھوا کر اس کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ آپ کی رائے میں کون سی صورت زیادہ موزوں ہوگی، میری رائے میں دوسری اور تیسری صورت مناسب ہوگی۔''[۵]

مولوی عبدالحق اردو کے پہلے ادیب کہے جا سکتے ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی نہ صرف اردو زبان و ادب کی خدمت کی اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے مولوی عبدالحق کی والہانہ کاوشوں نے اردو زبان کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں نمایاں مقام پر لا کھڑا کیا۔ اس کے علاوہ مولوی عبدالحق اُردو کے صفِ اول کے انشا پرداز، نقاد، لغت نویس، ماہر صرف و نحو، مترجم، محقق و مدون، ماہر کنیات، خاکہ نگار، تبصرہ نگار، خطیب، ادبی صحافی اور شاعر بھی تھے۔ اِن کا کوئی باقاعدہ شعری مجموعہ تو شائع نہیں ہوا۔ لیکن اُن کے اشعار کا بڑا ذخیرہ اُن کی تحریروں خاص طور پر خطبات اور مکتوبات میں جا بجا بکھرا ہوا تھا۔ اُنہوں نے غزلیں بھی لکھیں اور نظمیں بھی۔ اُن کے بعض اشعار نے بہت مقبولیت حاصل کی۔

نہ عشقِ بتاں ہے ، نہ فکر معیشت
مگر جاگتے رات کٹتی ہے ساری
دلوں پر قبضہ ، خیالات پر حکومت ہے
اب اس سے بڑھ کر تمہیں اختیار کیا ہوگا

[۶]

مولوی عبدالحق کی زندگی کا ایک اہم پہلو جس کی طرف ناقدین اور محققین نے کم توجہ دی وہ رسائل ہیں جن کو

انہوں نے جاری کیا یا کسی نہ کسی طرح ان سے وابستہ رہے۔انہوں نے سات رسائل کے اجراءاورادارت کا فریضہ سرانجام دیا۔ماہنامہ،افسر(۱۸۹۷ء)سہ ماہی اُردو(۱۹۲۱ء)نورس،مجلّہ عثمانیہ کالج اورنگ آباد(۱۹۲۵ء)پندرہ روزہ 'ہماری زبان'،(۱۹۳۹ء)۔قیام پاکستان کے بعد۱۹۵۰ء سے'ہماری زبان'،کی اشاعت انجمن ترقی اُردو پاکستان سے بھی شروع ہوئی۔لیکن اُس کا نام مولوی صاحب نے'قومی زبان' کر دیا۔انجمن ترقی اردو ہند سے بھی'ہماری زبان' کا دوبارہ اجراء ہوا۔اوراب بھی یہ رسالہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔اوراُس کی ادارت کے فرائض ڈاکٹر خلیق انجم سرانجام دے رہے ہیں۔ان کے علاوہ ماہنامہ معاشیات،(۱۹۴۶ء)سہ ماہی تاریخ وسیاست(۱۹۵۱ء)کا اجراء بھی مولوی صاحب نے کیا۔ان رسائل میں'افسر'، کے علاوہ باقی چھ رسائل مولوی عبدالحق نے ہی جاری کیے تھے۔رسالہ'افسر'۱۸۹۷ء میں جاری ہوامولوی عبدالحق ۱۸۹۹ء میں اس سے متعلق ہوئے لیکن رسالہ پران کا نام بطور مدیر جنوری ۱۹۰۰ء کے شمارے سے درج ہونا شروع ہوا۔'افسر' کی ادارت سنبھالنے کے بعد مولوی عبدالحق نے رسالے کا مزاج یکسر بدل دیا۔'افسر'میں پہلے فوجی مضامین اور فوجی نامور اشخاص کے تذکرے شائع ہوتے تھے۔ مولوی صاحب نے اُس کو خالص علمی وادبی،تعلیمی وتنقیدی خیالات کا ترجمان بنادیا۔

مولوی صاحب اعلیٰ پائے کے محقق،نقاداور تبصرہ نگار بھی تھے۔''اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام''(۱۹۳۳ء)مولوی صاحب کا ایک اہم تحقیقی کارنامہ ہے۔بقول ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ:

> ''مولوی صاحب کی یہ تصنیف''اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام
> ''بیک وقت سیرت بھی ہے تذکرہ بھی اور ٹھوس تحقیق بھی۔''[۷]

اس کتاب کے ذریعے مولوی صاحب نے نہ صرف اردو کے ابتدائی روپ سے روشناس کرایا بلکہ مسلمانوں اور خاص طور پر صوفیائے کرام کی آمد کے بعد ہندوستان کی سیاسی وسماجی اور معاشی حالت سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔

''مرحوم دہلی کالج''(۱۹۳۳ء)کے ذریعے مولوی صاحب نے ایک ادارے پر تحقیق کی عمدہ مثال پیش کی ہے۔اس کتاب میں انہوں نے اس ادارہ سے متعلق بکھرے ہوئے تمام مآخذات کوایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے۔کالج کا نصاب،طلباء کی تعداد،وظائف،فیس،تعطیلات کا ذکر۔انتظامیہ مجلس،ایجوکیشن کمیٹی کے ممبران،ان کی اہم ذمہ داریاں،فرائض غرض تمام معلومات جمع کر کے خالص تحقیقی اسلوب میں حوالوں کے ساتھ مدلل انداز میں بیان کر دی ہیں۔

''نصرتی''ملک الشعرائے بیجاپور کے حالات وکلام پر تبصرہ''(۱۹۴۴ء)بھی مولوی صاحب کی اہم تصنیف

ہے جس میں مولوی صاحب نے عادل شاہی عہد کے شاعر 'نصرتی' کے حالات زندگی کا کھوج لگا کر بہت سے گمنام گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے اور اپنی تحقیق سے گارساں وتاسی کے اس دعویٰ کو بھی مسترد کر دیا کہ نصرتی 'برہمن' تھا۔ [۸]

مولوی عبدالحق نے نظری یا عملی تنقید سے متعلق کوئی مستقل کتاب تو نہیں لکھی نہ ہی کوئی منضبط سلسلہ مضامین پیش کیا۔ البتہ ان کے تبصرے، مقدمات، خطبات اور دوسری تحریریں ان کے تنقیدی نظریات کی عکاس ہیں۔ ان کی علمی وادبی کاوشیں اپنے موضوعات کے تحقیقی وتنقیدی مطالعات ہیں۔ مولوی عبدالحق بنیادی طور پر محقق تھے۔ اس لیے ان کی تنقید کو تحقیق سے الگ کر کے دیکھنا بے حد مشکل ہے۔ مولوی صاحب کی تنقیدات میں مختلف مکاتیب خیال کے اثرات کی آمیزش دکھائی دیتی ہے۔ ان کے ہاں تاثراتی، جمالیاتی، سائنسی اور سماجی سبھی رجحانات تنقید کارفرما دکھائی دیتے ہیں ان کا نظریہ تنقید بہت وسیع، ہمہ گیر اور رنگا رنگ تصورات سے مرکب ہے۔ ''مولوی عبدالحق کی تنقیدیں سائنٹیفک اسکول کی نمائندگی کرتی ہیں ان میں تاثراتی تنقید کا پرتو بھی جھلکتا ہے اور تقابلی انداز بھی پایا جاتا ہے۔''[۹]

اردو میں تبصرہ نگاری کا آغاز اور فروغ بھی مولوی عبدالحق کی ذات سے وابستہ ہے ماہنامہ قومی زبان، کراچی نے اگست ۱۹۶۳ء کے 'مولوی عبدالحق نمبر' میں ابن حسن قیصر اور زاہدہ خاتون کا مرتب کردہ مولوی عبدالحق کے تبصروں کا اشاریہ (موضوعاتی ترتیب سے) شائع کیا، اس اشاریے کی رو سے مولوی صاحب کے تبصروں کی تعداد بارہ سو چوالیس (۱۲۴۴) ہے۔ ۱۹۳۴ء میں محمد تراب علی خاں بازنے رسالہ، اُردو، میں ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۳ء تک شائع ہونے والے مولوی صاحب کے ۲۳ تئیس تبصروں کو ''تنقیدات عبدالحق'' کے عنوان سے شائع کیا۔ انجمن ترقی اردو ہند نے ۱۹۳۹ء میں ''چند تنقیدات عبدالحق کے عنوان سے دس تبصروں کو کتابی شکل میں یکجا کر کے شائع کیا۔ ۱۹۴۷ء میں دانش محل لکھنو نے 'ادبی تبصرے' کے نام سے مولوی عبدالحق کے تبصروں کا ایک اور مجموعہ شائع کیا اس مجموعے میں شامل تبصرے گزشتہ دونوں مجموعوں میں شامل نہیں ہیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق خطابت کے فن سے بھی بخوبی واقف تھے ان کے خطبات سننے والوں پر سحر طاری کر دیتے ہیں اور پڑھنے والوں کو اپنے حصار میں لے لیتے ہیں۔ ان کا ہر خطبہ اپنی جگہ ایک مستقل تصنیف ہے جو گہرے مطالعے، باریک بین مشاہدے اور تحقیق کے بعد لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خطبات اپنے عہد کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی میلانات کی عکاسی کرنے کے ساتھ ساتھ اس عہد کی ادبی ولسانی تحریکات کی جامع اور مستند دستاویز

بھی ہیں۔ مولوی صاحب کے تمام خطبات میں جو ایک موضوع مشترک ہے وہ ہے ان کی اردو زبان سے والہانہ وابستگی۔ ان خطبات میں اردو زبان کی تاریخ، اس کی تہذیبی و ثقافتی اہمیت، اس کے ماضی اور مستقبل کے دیانت دارانہ جائزے، اردو زبان کا لسانی ارتقاء اور اس میں ہونے والی عہد بہ عہد تبدیلیوں، زبان و ادب کے بنیادی مسائل کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی ترقی اور ترویج اشاعت کے لیے قابل عمل تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے خطبات آزادی سے پہلے دو جلدوں میں انجمن ترقی اُردو سے شائع ہوئے۔ پہلی جلد ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی جس میں کل دس خطبات شامل ہیں۔ دوسری جلد ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی جو تیرہ خطبات پر مشتمل تھی۔ ۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ''خطبات عبدالحق'' کو دوبارہ مرتب کیا اس میں مولوی صاحب کے مزید گیارہ خطبات کا اضافہ بھی کیا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۴ء میں انجمن ترقی اردو کراچی نے شائع کیا اس ایڈیشن میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مزید چار خطبات کا اضافہ کیا۔ اس کتاب میں ۱۹۳۳ء سے ۱۹۵۹ء تک کل اڑتیس ۳۸ خطبات کا انتخاب شامل ہے۔

اردو میں مقدمہ نگاری کی باضابطہ روایت کا آغاز بھی مولوی عبدالحق کا مرہونِ منت اس سے پہلے تقریظیں اور دیباچے لکھے جاتے تھے جن میں شاعر یا مصنف کی مدح بیان کی جاتی تھی۔ عالمانہ تنقیدی بصیرت شاذ ہی ملتی تھی۔ مولوی عبدالحق نے مقدمہ نگاری کو تقریظ، دیباچے اور پیش لفظ سے کئی قدم آگے بڑھا کر خالص تحقیقی و تنقیدی چیز بنا دیا۔ موضوع کے لحاظ سے یہ مقدمات بے حد وسیع اور متنوع ہیں۔ انہوں نے تذکروں، داستانوں، مکتوبات، دیوان، مذہبی کتب و رسائل، منتخبات کلام، سوانحی خاکے و کتب تراجم، تاریخی کتب، اصطلاحات علمیہ، لغات، قواعد آپ بیتیاں، مجموعہ مقالات، سائنسی، تحقیقی اور تنقیدی کتب غرض ہر صنف اور ہر موضوع کی کتابوں کے لیے مقدمات لکھے۔ اردو میں اتنے مختلف اور متنوع موضوعات پر اتنی تفصیل اور گہرائی کے ساتھ ایسے علمی مقدمے اور اتنی زیادہ تعداد میں کسی ایک شخص نے لکھے ہوں اس کی مثال نہیں ملتی۔ شبلی نعمانی کے مرتبہ مرزا علی لطف کے تزکرے 'گلشن ہند' پر مولوی عبدالحق نے جو مقدمہ لکھا ڈاکٹر گیان چند جین نے اسے اردو کا پہلا جدید تحقیقی مضمون قرار دیا ہے۔ [۱۰]

اردو میں ادبی تحقیق کا معیار بھی مولوی صاحب کے لکھے ہوئے ان مقدمات نے متعین کیا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> ''ان کے مقدمات سے عملاً پہلی بار اس بات کا اظہار ہوا کہ تحقیق کا اصل کام اہم حقائق کی نشاندہی اور ادب و ادیب کی رہنمائی ہے اس رہنمائی کا ادبی ذوق

وشوق اور تنقیدی شعور سے گہرا رشتہ ہے۔''[۱۱]

مقدماتِ عبدالحق کو مرزا محمد بیگ نے ۱۹۳۱ء میں دو جلدوں میں مرتب کیا۔ پہلی جلد میں چودہ اور دوسری جلد میں بارہ مقدمات شامل ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مذکورہ بالا مقدمات میں مزید تیس مقدمات کا اضافہ کر کے لاہور سے شائع کیے۔ اس طرح مولوی صاحب کے ستاون ۵۷ مقدمات کتابی شکل میں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔

مولوی صاحب اردو میں سب سے زیادہ زود نویس مکتوب نگار بھی رہے۔ وہ سرکاری ملازم تھے اور وہ بھی محکمہ تعلیمات میں، ریاست حیدر آباد دکن میں مولوی صاحب کے تعلقات مہاراجہ سرکشن پرشاد سے لے کر محکمہ تعلیمات کے ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن کے ساتھ تھے۔ اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو کے تمام اہل کاروں کے تقررات، تبادلوں، تنخواہوں وغیرہ سے متعلق سارے مسائل مولوی صاحب ہی حل کرتے تھے۔ اس لیے مولوی صاحب کی خطوط نگاری کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ ان کے یہ خطوط ان کی شخصیت کی تمام پرتوں کو ایک ایک کر کے ہمارے سامنے کھولتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا طرز زندگی، ان کی افتادِ طبع، پسند ناپسند کی عکاسی کے ساتھ ساتھ یہ خطوط اس عہد کی تاریخی دستاویز بھی ہیں۔ اُردو زبان سے مولوی عبدالحق کے لگاؤ کا فکری پس منظر ان مکاتیب کے ذریعے ہمارے سامنے آتا ہے اردو زبان اور انجمن ترقی اردو کے فروغ اور ارتقاء کے لیے وہ جس طرح سرگرم عمل رہے اور انہوں نے جو قربانیاں دیں۔ اُردو اور انجمن کے لیے غیر منقسم ہندوستان کے کونے کونے کا سفر کیا، اردو کے مدارس اور کتب خانے قائم کیے، کن کن لوگوں سے جنگ آزمائی اور معرکے کیے، کس منزل پر کامیاب ہوئے اور کہاں کہاں شکست کھائی۔ غرض اردو سے ان کے جذب وعشق کی تمام حکایتیں اور جنوں خیزی کی تمام داستانیں مولوی صاحب کے ان خطوط میں نظر آتی ہیں اگر یہ کہا جائے کہ مولوی صاحب کے خطوط میں ان کی اپنی ذات سے زیادہ اردو کی داستان حیات رقم ہے تو کسی طور غلط نہ ہوگا۔ مولوی عبدالحق کے خطوط کے گیارہ مجموعے [۱۲] کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولوی عبدالحق نے اپنے عہد کی چند ایسی شخصیات پر مضامین بھی لکھے جن سے ان کا کسی نہ کسی حیثیت سے شخصی رابطہ رہا۔ کتابی شکل میں یہ مضامین ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئے۔ چند ہمعصر، کی بیشتر شخصیات علم وادب کی رہنما ہستیاں ہیں اس لیے مولوی صاحب ان رہنماؤں کی سیرت کے ساتھ ساتھ ان کی خدمات اور کارناموں پر بھی بے باک نقاد کی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں اور اصول تنقید اور معیار تنقید پر بھی بحث کرتے ہیں اور ہر سیرت سے کوئی نہ کوئی اخلاقی نتیجہ بھی اخذ کرتے ہیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق کی لسانی خدمات کا دائرہ بھی بے حد وسیع ہے، زبان کی ساخت و پیدائش، معاشرے اور زبان کا تعلق، زبان اور ہمارا تہذیبی وثقافتی سرمایہ، اردو زبان کی پیدائش اور ارتقاء، اس کے ماخذ اور منابع، اس کے اصول وقواعد، عروج وزوال کے اسباب، اس کے مزاج ساخت اور خصوصیات پر اپنی تحریروں میں مولوی صاحب نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ زبان اور لسان سے متعلق ان کی مستقل تصانیف میں قواعد اردو، (۱۹۵۱ء) قدیم اردو، (۱۹۶۱ء) مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر (۱۹۳۳ء) اردو کی فضیلت بنگالی اکابرین کی نظر میں (۱۹۵۲ء) شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس موضوع پر کچھ کتابچے بھی لکھے جن میں 'اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ' (۱۹۱۹ء) 'اردو بحیثیت ذریعہ تعلیم' (۱۹۵۱ء) 'سر آغا خان کی اردو نوازی' (۱۹۵۱ء) 'پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان کا مسئلہ' (۱۹۵۲ء) 'پاکستان میں اردو کا المیہ' (۱۹۵۲ء) 'اردو یونیورسٹی وقت کا اہم تقاضا' (۱۹۶۰ء) بھی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

مولوی عبدالحق کی سب سے بڑی خدمت اردو شعراء ادب کے گم شدہ سلسلوں کی دریافت اور اشاعت ہے جن کی بدولت انہوں نے اردو ادب کی تاریخ میں کئی صدیوں کا اضافہ کیا۔ ان کی بدولت کلاسیکی ادب کے وہ گوہر نایاب اردو کی زینت بنے جو اس سے پہلے کم یاب ہی نہیں نایاب بھی تھے۔ تحقیق کا عنصر مولوی صاحب کے مزاج کا ایک اہم حصہ تھا ان کی ہر تحریر، ہر تصنیف خواہ وہ قواعد ولسانیات سے متعلق ہو یا شخصی مضامین ہوں، خطبات ہوں، مقدمے ہوں یا تبصرے، ہر جگہ تحقیق کا جزو غالب نظر آتا ہے۔ حیدر آباد دکن میں طویل عرصہ قیام کے دوران انہوں نے اردو کی قدیم کتابوں اور مصنفوں کو گوشہ گمنامی سے نکال کر تاریخ ادب اردو کا اولین باب متعین کرنے کی کوشش کی۔ دکن کی مسلم سلطنتوں کا جو سلسلہ قطب شاہوں پر ختم ہوا اور اس دور میں تصنیف وتالیف کا جو کام دکنی زبان (قدیم اردو) میں انجام پایا۔ اس پر مولوی صاحب نے بڑی تلاش اور جستجو کی۔ بابائے اردو کو شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ اردو زبان کوئی اتنی زیادہ پرانی زبان نہیں ہے کہ اس کے ابتدائی تحریری نقوش وقت کی گرد میں گم ہو کر ناپید ہو جائیں۔ زبان کے اس افلاس کو دور کرنے اور اردو شعر وادب کی ابتدائی گم شدہ کڑیوں کی تلاش ان کی زندگی کا مقصد ہی نہیں جنون بن گیا تھا۔ اس جنون کی تکمیل کے لیے انہوں نے دیوانہ وار محنت کی اور گمنامی کی قبریں کھود کر ایسی ایسی پرانی کتابیں اور تذکرے برآمد کیے جن کے نام سے بھی اہل اردو واقف نہیں تھے۔ ان شعری ونثری متون کو تصحیح و ترتیب کے بعد مولوی صاحب نے انجمن کے زیر اہتمام نہ صرف شائع کیا بلکہ ان کی تاریخی وادبی اہمیت کی وضاحت اور ان سے متعلق ہر طرح کی معلومات کو یکجا کر کے مولوی صاحب نے اردو زبان وادب کی جو خدمات سرانجام دیں

ان کی بنا پر نصیرالدین ہاشمی نے انہیں ''دکینیات کا اولین معمار'' قرار دیا ہے۔[۱۳] ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ اردو کا قدیم دور مولوی عبدالحق کی تحقیقات کی بدولت زندہ ہے۔

> ''بابائے اردو کا بڑا کارنامہ اردو ادب کے ان شعراء اور مصنفین کو زندگی عطا کرنا ہے جو معنوی طور پر مر چکے تھے اس طرح وہ اردو کے 'بابا' ہی نہیں 'مسیحا' ہیں جنہوں نے اپنی تحقیقات سے کئی مردوں کو زندہ کیا۔''[۱۴]

مولوی عبدالحق کے مرتبہ و مدونہ کلاسیکی شعری ونثری متون میں نو تذکرے۔(چمنستان شعراء (لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی)۱۹۲۸ء،مخزن نکات (قائم چاند پوری)۱۹۲۹ء،تذکرہ ریختہ گویاں (فتح علی حسینی گردیزی) ۱۹۳۳ء،تذکرۂ ہندی (غلام ہمدانی مصحفی) ۱۹۳۳ء،مخزن الشعراء (قاضی نورالدین حسین خاں فائق رضوی) ۱۹۳۳ء،ریاض الفصحا (غلام ہمدانی مصحفی) ۱۹۳۴ء،عقد ثریا (غلام ہمدانی مصحفی) ۱۹۳۴ء،نکات الشعراء (میر تقی میر) ۱۹۳۵ء،گل عجائب (اسد علی تمنا) ۱۹۳۶ء) تین داستانیں (سب رس (ملا وجہی) ۱۹۳۲ء،کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی (انشاءاللہ خان انشاء) ۱۹۳۳ء،باغ و بہار (میر امن) ۱۹۳۱ء)۔میر تقی میر کی خودنوشت سوانح 'ذکر میر' (۱۹۲۸ء) خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی معراج العاشقین (۱۹۲۴ء)،انشاءاللہ خان انشاء کی دریائے لطافت (۱۹۱۶ء) _____ مضامین کے تین مجموعے (انتخاب مضامین رسالہ 'حسن' حیدرآباد دکن،۱۹۱۰ء،'اقبال' (علامہ اقبال کی زندگی،شاعری اور فلسفہ پر سیر حاصل محققانہ مضامین) ۱۹۴۰ء،اُردو زبان کی فضیلت چند بنگالی اکابر کی نظر میں،۱۹۵۲ء)، تین لغات (دی اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری، ۱۹۳۷ء،انجمن کی اُردو انگریزی لغت، ۱۹۷۷ء ،لغت کبیر جلد اول (حصہ اول)،۱۹۷۳ء،لغت کبیر جلد اول (حصہ دوم)،۱۹۷۵ء،لغت کبیر جلد دوم (حصہ اول)، ۱۹۷۷ء)، میٹر کولیشن (حسبِ ہدایت مجلس نصاب اُردو جامعہ عثمانیہ) ، (۱۹۲۷ء)، انٹر میڈیٹ کا نصاب اُردو (مدراس یونیورسٹی کے لیے)، (۱۹۴۰ء)، چار مثنویات (خواب و خیال (میر اثر)،۱۹۲۶ء، جنگ نامہ سید عالم علی خاں (غضنفر حسین)،۱۹۳۳ء،قطب مشتری (ملا وجہی)، ۱۹۳۹ء گلشن عشق (ملا نصرتی)،۱۹۵۲ء،خواجہ میر اثر (۱۹۳۰ء)،تاباں دہلوی،(۱۹۳۵ء) کے دواوین کی تدوین،میر تقی میر اور داغ دہلوی کے کلام کا انتخاب بھی مرتبہ و مدون کر کے شائع کیا۔

ان قدیم شعری ونثری متون کی دریافت کے بعد سب سے بڑا مرحلہ ان کی قرأت،تفہیم،تصحیح،ترتیب اور پھر اہلِ اُردو سے ان کو متعارف کرانے کا تھا۔ بے حد دقتیں اُٹھانے کے بعد مولوی عبدالحق جو قدیم مخطوطات حاصل

کرنے میں کامیاب ہوتے تھے وہ بے حد خراب اور خستہ حالت میں ہوتے تھے بعض کرم خوردہ تھے تو بعض ناقص الاول اور ناقص الآخر۔ بعض مخطوطات کے لفظ موسمی تغیرات اور فرسودگی کے باعث دھندلے ہو جاتے تھے جن کا پڑھنا دشوار ہوتا تھا۔

قدیم دکنی مخطوطات زیادہ تر خط ثلث اور خط نسخ میں تحریر ہوتے تھے بعض خط شکستہ میں بھی ہوتے تھے، جن کا پڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ بعض مخطوطات کے کاتب غلط نویس تھے۔ لفظ پورے نہیں لکھتے تھے۔ حروف کے شوشے اور نقطے پورے نہیں لگاتے تھے۔ شعرائے اُردو کے قدیم تذکرے جو مولوی صاحب کو دستیاب ہوئے وہ زیادہ فارسی زبان میں تھے اور فارسی رسم الخط کی سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ اس میں لفظوں کی کمی بیشی یا ان کی جگہ بدل جانے سے یا تو لفظ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے یا دوسری صورت میں اس سے ایسا مفہوم مترشح ہوتا ہے جو متن کے سیاق و سباق سے بالکل ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ مولوی صاحب نے مخطوطات کی قرأت اور تفہیم میں ان سب مشکلات کا سامنا کیا۔ بیشتر صورتوں میں انہیں قدیم شعری یا نثری متن کا ایک ہی نسخہ دستیاب ہوتا تھا۔ مولوی صاحب اپنے محدود وسائل کے باوجود پوری کوشش کرتے تھے کہ مذکورہ مخطوطے کا اگر کوئی اور نسخہ کسی کتب خانے یا اہلِ علم کے پاس ہے تو وہ انہیں دستیاب ہو جائے۔ اس سلسلے میں خط و کتابت کے ذریعے مختلف محققین اور کتب خانوں سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے۔ نہ صرف اپنے کام کے سلسلے میں مختلف محققین سے مشورہ لیتے بلکہ ان کے تحقیقی کاموں میں بھی ہر ممکن معاونت کرتے۔ ۳؍جولائی ۱۹۲۶ء کو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''ذوقی شاہ کا کلام مجھے بھی ایک خاص بیاض میں ملا۔ بعض تذکروں میں اس کا ذکر ہے جو آپ تحریر فرما چکے ہیں۔ میں نے دتاسی کا تذکرہ دیکھا۔ اس میں نظیر، نہال چند اور ذوق کے حالات ان صفحات اور جلدوں میں ہیں:
>
> نظیر جلد۲، ص ۴۵۷، ۴۵۸ اور چند سطریں ۴۵۹ پر
>
> نہال چند جلد۲، ص ۴۶۸، ۴۶۹، اور چند سطریں ۴۷۰ پر
>
> ذوق جلد۳، ص ۳۳۹، ۳۴۰
>
> ڈاک کا وقت جا رہا ہے۔ میں کل یا پرسوں دوسرے تذکرے دیکھ کر نہال چند کا جو جو حال جہاں ملے گا لکھ کر بھیج دوں گا۔''[۱۵]

نئے کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے اور رہنمائی بھی۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کے نام ایک خط

میں لکھتے ہیں:

''یہ خوب ہوا کہ آپ کو یقینؔ کے اور بھی دیوان مل گئے۔آپ اسے ضرور مرتب کیجئے،خرچ میں دوں گا لیکن حیدرآباد میں ہرگز طبع نہ کرائیے گا ورنہ میں ذمہ دار نہیں۔حیدرآباد میں آج تک کوئی کتاب اچھی نہیں چھپی، یا تو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس میں چھپوائیے یا جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مطبع میں۔یہ دونوں مطبع بہت اچھا کام کرتے ہیں اور قابل اعتماد ہیں۔''[۱۶]

اکثر ناقدین نے یہ اعتراضات اُٹھائے کہ مولوی عبدالحق قدیم مخطوطات کی تصحیح وترتیب کرتے ہوئے آداب تدوین کا خیال نہیں رکھتے تھے، مذکورہ متن کے مطالب پر توجہ نہیں دیتے تھے ان کے مطبوعہ متون اختلاف نسخ سے عاری ہوتے ہیں، مرزا فرحت اللہ بیگ کے نام درج ذیل خط کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ کسی بھی قدیم متن کو شائع کرنے سے پہلے وہ کن کن امور کا خیال رکھتے تھے۔

''کرم نامہ پہنچا اور اس کے ساتھ شوقؔ کے تذکرے کا مقدمہ بھی موصول ہوا۔ ابھی میں نے مقدمہ نہیں پڑھا۔صرف پہلے صفحے پر نظر ڈالی اس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے مجھ سے تذکرے کی طباعت کے متعلق دریافت کیا تو میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس میں غلطیاں بہت ہیں، حضرت! ایک دو نہیں بے شمار غلطیاں ہیں اور جگہ جگہ سے ناقص ہے۔یہ کتب خانہ آصفیہ کے نسخے کا حال ہے دو اور نسخے مہیا کیے وہ بھی ناقص نکلے۔اب ایک اور نسخے کا پتہ چلا ہے تو وہ بھی دیکھوں گا کہ اس کی کیا کیفیت ہے میرے پاس مرتب کیا ہوا اور خوش خط لکھا ہوا نسخہ موجود ہے لیکن جب تک دو ایک معتبر نسخوں سے مقابلہ کر کے تصحیح نہ کر لی جائے اور جو صفحے چھوٹ گئے ہیں، پورے نہ ہو جائیں اسے طبع نہیں کرسکتا، جھٹ پٹ کا کام اچھا نہیں ہوتا اور نہ قابل اعتماد اور استناد ہوتا ہے۔ کامل طور پر مرتب ہونے پر جا بہ جا نوٹ دینے کی ضرورت ہوگی اس قسم کے کاموں میں بڑی محنت، تحقیق اور احتیاط کرنی پڑتی ہے۔''[۱۷]

اس خط کے مطالعے سے مولوی عبدالحق کا قدیم متون کی تصحیح، ترتیب اور تدوین کا طریقہ کار جزئیات سمیت

ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ کسی بھی مخطوطے کی دریافت کے بعد وہ اس کا دقت نظر سے مطالعہ کرتے تھے۔ مبہم، خستہ اور مشتبہ مقامات کی تصحیح کے لیے مذکورہ مخطوطے کے دیگر نسخوں کی تلاش اور جستجو کرتے تھے ان کی دستیابی کے بعد تمام نسخوں کے تقابلی مطالعے سے تصحیح کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ حواشی اور فرہنگ کا التزام بھی کرتے تھے۔

مولوی عبدالحق کے مرتبہ و مدونہ متون کا سب سے روشن پہلو مذکورہ متون کے لیے لکھے گئے مولوی عبدالحق کے مقدمات ہیں جو ان کی وسعت مطالعہ، تحقیقی نظر، تنقیدی بصیرت اور علمی اندازِ بیان کے عکاس ہیں ڈاکٹر تنویر علوی لکھتے ہیں:

> ''مولانا نے نہ صرف یہ کہ ان اوراق پارینہ کو نئی زندگی اور پائندگی بخشنے کی کوشش کی بلکہ ان کی اور ان کے مصنّفین کے لیے تعارفی نگارشے بھی بصورت مقدمہ یا دیباچہ تحریر فرمائے۔''[۱۸]

مولوی عبدالحق کے ان مقدمات کی اہمیت صرف ''تعارفی نگارشوں'' کی ہی نہیں بلکہ مولوی عبدالحق ان کے ذریعے قدیم متون اور ان کے مصنّفین کے سوانحی حالات، شخصیت اور ماحول پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ ادبی دنیا میں ان کے مقام و مرتبے کا تعین بھی ہو جاتا ہے۔ قدیم شعری و نثری متون کے لیے مقدمہ لکھتے ہوئے مولوی صاحب نہ صرف متن کی داخلی شہادتوں کو بنیاد بناتے ہیں بلکہ اس عہد کی دیگر تصانیف تذکرۃ الشعراء، ادبی تواریخ، لغات، ملفوظات، دواوین سے بھی مدد لیتے ہیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ لکھتی ہیں:

> ''ان کا طریقہ کار استخراجی (Inductive) بھی ہے اور اشتقاقی (Derivative) بھی یعنی وہ اندرونی اور بیرونی دونوں شواہد (Evidences) سے کام لیتے ہیں پھر لطف یہ کہ تحقیق میں یبوست یعنی 'خشکی' پیدا نہیں ہونے پاتی بلکہ شگفتگی برقرار رہتی ہے یہ ایسا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے ان کی تحقیقات 'محقق' اور 'متکلم' سے قطع نظر 'عام آدمی' (Layman) کے لیے بھی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔''[۱۹]

ان مقدمات میں مولوی صاحب نے بہت سے تحقیقی انکشافات بھی کیے ان میں سے بہت سے نکات ایسے بیان کیے جن پر جدید محققین نے اپنی تحقیقات کی بنیادیں استوار کیں لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں ان کی بعض تحقیقی اغلاط کی نشان دہی بھی کی گئی اور اغلاط ہمیشہ تحقیق و جستجو کے تعاقب میں رہتی ہیں۔ ادبی اور علمی معاملات میں ایسی

تحقیق جو خطا وسہو سے بری ہو شاذ و نادر ہی ہوتی ہے غلطی ترقی کے مانع نہیں بلکہ اغلاط ہمیشہ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور آنے والوں کے لیے نئے راستوں کی نشان دہی بھی کرتی ہیں۔ مولوی عبدالحق کی تحقیق و تدوین میں جن اغلاط کی نشان دہی کی گئی وہ اپنی جگہ بجا ہیں لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولوی عبدالحق کی تحقیقی کاوشوں اور قدیم دکنی مخطوطات کی تصحیح و ترتیب کی بدولت ہی اُردو میں ترتیب و تدوین متن کی روایت کا باضابطہ آغاز ہوا۔ اس وقت تدوین متن کے نہ کوئی مثالی نمونے موجود تھے اور نہ ہی تدوین متن کے کوئی اصول متعین ہوئے تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''آزادی سے پہلے اور اس کے بہت بعد تک تدوین متن کا معیار یہ تھا کہ جو تصانیف مختلف کتب خانوں میں دبی پڑی ہیں انہیں فوراً سامنے لایا جائے اس خواہش نے متعدد مخطوطات کی اشاعت کے لیے راستہ ہموار کیا یہ اس وقت کی ضرورت تھی۔''[۲۰]

بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے پیش نظر بھی سب سے بڑا مقصد قدیم دکنی مخطوطات کی دریافت اور دستیابی تھا انہوں نے قدیم مخطوطات کو جوں کا توں شائع کرنے کی بجائے نہ صرف ان کو بغور پڑھا بلکہ اختلاف نسخ، حواشی اور فرہنگ کے ساتھ شائع کیا۔ اس طرح مولوی عبدالحق نے اپنے عہد کے معیارات کے مطابق تصحیح و ترتیب متن کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں، لیکن اصل مسئلہ اس وقت جنم لیتا ہے جب ناقدین مولوی عبدالحق کے مرتبہ و مدونہ متون کو جدید دَور کے متعین کردہ تدوین متن کے اصولوں پر پرکھتے ہیں تو انہیں مولوی صاحب کے کام میں بے شمار عیوب اور خامیاں دکھائی دیتی ہیں اور وہ برملا کہتے ہیں کہ مولوی عبدالحق آداب تدوین کی پابندی نہیں کرتے لیکن یہ کہنے سے پہلے وہ یہ جاننا ضروری خیال نہیں کرتے کہ مولوی عبدالحق کے دور میں تدوین کے معیارات کیا تھے؟ مولوی عبدالحق کے مدوّن کیے ہوئے متون کی اہمیت 'ترتیب متن' میں نہیں بلکہ 'دریافت متن' میں ہے۔ قدیم متون کی دریافت کے بعد اہل اُردو سے ان کے تعارف کے لیے مولوی عبدالحق نے جو مقدمات لکھے ان میں بیان کیے ہوئے ان کے نکات ہی کو آج تک لوگ دہراتے آرہے ہیں مثلاً ''انتخاب کلامِ میر''، ''باغ و بہار''، ''قطب مشتری'' وغیرہ کے مقدمے، کچھ ایسے ضرور ہیں جن میں نئی باتوں کا علم ہوا ہے مثلاً معراج العاشقین، سب رس وغیرہ لیکن اپنے دَور کی معلومات اور تحقیق کے دستیاب وسائل کے پیش نظر یہ مقدمے بے شک تحقیق کے اچھے نمونے ہیں۔ ڈاکٹر منظر اعظمی لکھتے ہیں:

> ''تحقیق و تدوین کے جو اصول آج سامنے آئے ہیں وہ مولوی صاحب کے

سامنے اس وقت نہ تھے اور اس لیے بھی کہ تحقیق میں کوئی چیز حتمی نہیں ہوتی کسی وقت اگر اور چیز کا علم ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ پہلے کے کیے ہوئے کام کی اہمیت ہی نہ رہی۔ اوبڑ کھابڑ میدانوں اور گھنے جنگلوں میں جو لوگ پہلے راستہ نکالتے ہیں ان کا کام زیادہ اہم اور دقت طلب ہوتا ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو انہی راستوں کو مزید ہموار اور صاف کر کے آسان سفر کے قابل بنا دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ 'شعرالعجم' کی اپنی اہمیت ہے وہ 'تنقیدالشعرالعجم' سے کم نہیں ہوتی۔''[۲۱]

یہ کہنا کسی طور بے جا نہ ہوگا کہ مولوی عبدالحق کے مرتبہ و مدونہ متون جہاں ایک طرف موضوعات کے تنوع، گہرائی، تحقیق وتنقید، علم وفن اور ان کی ذہانت کے اعلیٰ نمونے ہیں وہاں اُردو سے ان کے والہانہ جذب وشوق کے بھی غماز ہیں۔ انہوں نے جو بھی لکھا اور جتنا بھی لکھا اُردو کی محبت اور اس کو بلند سے بلند کرنے کے جذبے سے لکھا۔ اس طرح نہ صرف اُردو زبان کا قدیم سرمایہ محفوظ ہو گیا بلکہ اُردو زبان وادب کا دامن بھی مالا مال ہو گیا۔ اُردو اپنے قدیم اور موجودہ سرمائے کے سبب آج ایک علمی اور تہذیبی اہمیت کی حامل زبان سمجھی جاتی ہے۔ ان کی مساعی کے پس پشت بڑی حد تک اُردو کی دفاعی جدوجہد کے تعلق سے شعور ولاشعور میں موجود وہ احساس تھا کہ اُردو کو اس کا وہ مقام مل جائے جسکی وہ مستحق ہے۔ بڑی حد تک اس عمل کے ہمہ گیر اور مفید اثرات سامنے آئے، اُردو میں تحقیق کی نہ صرف ابتدا ہوئی بلکہ بہت جلد اس کے مختلف مراکز بن گئے اور زبان وادب، تاریخ، سوانح اور تخلیقات کے نئے نئے گوشے منظر عام پر آئے۔ مولوی عبدالحق سے بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر قبول کر کے آنے والے عہد میں تحقیق وتدوین کی روایت کو مختلف محققین نے مضبوط اور مستحکم کیا ان میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور، حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، نصیرالدین ہاشمی، شیخ چاند، پیر حسام الدین راشدی، مولانا عبدالحئ، مشفق خواجہ اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان محققین کے زیر اثر لسانی اور تاریخی تحقیق اور تصحیح متن کی روایت برصغیر کی جامعات میں بھی عام ہوئی۔ ان کی کاوشوں سے ادب کو تاریخ کے پس منظر میں دیکھنے کا شعور بھی نمایاں ہوا اور اس سے اُردو ادب کی تاریخ کی تدوین کا کام بھی قدرے آسان ہو گیا۔ اُردو میں سرسید احمد خاں پہلے ادیب ہیں جنہوں نے اپنے ادیبوں کا ایک حلقہ بنایا اور انہیں اہم ادبی کاموں کی ترغیب دی۔ سرسید کے بعد اس سلسلے میں دوسرا اہم نام مولوی عبدالحق کا ہے۔ رشید احمد صدیقی کا یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ

''اُردو کے بارے میں سرسید نے جوخواب دیکھا تھا اس کی تعبیر مولوی صاحب کی خدمات میں ملتی ہے۔''[۲۲]

سرسید کے مقابلے میں مولوی عبدالحق کے رفقاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مولوی صاحب صرف ادبی کام کرنے کی ترغیب ہی نہیں دیتے تھے بلکہ انجمن ترقی اُردو سے اس کام کو بہت اچھی طباعت کے ساتھ شائع بھی کرتے تھے۔مولوی صاحب کے رفقاء میں مولوی وحیدالدین سلیم، سید وہاج الدین، مولوی محمد حسین، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، مولوی غلام یزدانی، مولوی سید ہاشمی فریدآبادی، پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر سید عابد حسین، شیخ چاند سید سراج الدین، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مرزا فرحت اللہ بیگ، مولانا عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر لطافت حسین، مرزا محمد مہدی کوکب اور محمد الیاس برنی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مولوی صاحب اُردو کے پہلے اور آخری ادیب تھے جنہوں نے اپنے ہم عصروں سے اتنے بڑے پیمانے پر ادبی کام کرا کے شائع کیا۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے ان اوصاف اور خدمات کی بدولت رشید حسن خان نے انہیں اپنے زمانے کا 'گلکرسٹ' قرار دیا ہے۔ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے کیونکہ اُردو کے لیے انہوں نے جو کام کیا وہ سو آدمیوں اور سو برسوں کا کام تھا۔موجودہ دَور کے مستند محقق متن کی مذکورہ درج ذیل رائے پر اس بحث کو سمیٹنا بے جانہ ہوگا:

''مولوی عبدالحق کی خدمات بہت زیادہ ہیں، تذکرے انہوں نے جیسے بھی چھاپے، آج ہم سب انہی سے کام لینے اور انہی کا حوالہ دینے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ یہ 'ناتمام کام' اگر وہ نہ کر جاتے تو شاید سرے سے ہو ہی نہ پاتا۔اس کا اندازہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اس روایت کو 'مرحوم' بنا دیا۔اس کے علاوہ مرحوم کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مولوی وحیدالدین سلیم جیسے اساطین ادب سے کام کرایا۔ یہ کام کرنے والے جس پائے کے تھے اس سے سبھی واقف ہیں اور مرحوم کے سوا کوئی دوسرا شخص ان لوگوں سے اپنی فرمائشوں کو اس طرح پورا نہیں کرا سکتا تھا۔اس لحاظ سے مولوی صاحب کو اپنے زمانے کا 'گل کرسٹ' کہنا چاہیے یہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔مولوی صاحب چلے گئے اور

سارے بڑے لوگوں کی طرح اپنی جگہ خالی چھوڑ گئے ان کے جانشینوں نے اور
جو بھی کیا ہو مگر اس علمی روایت کو زندہ نہیں رکھ سکے جس کو مرحوم نے فروغ دیا تھا
شاید یہ ان لوگوں کے بس کی بات تھی بھی نہیں۔'' [۲۳]

حوالہ جات وحواشی

۱۔ مولوی عبدالحق، ''چند ہمعصر''، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۲۲۶۔

۲۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، مرتبہ: ''خطباتِ عبدالحق''، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۴ء، ص ۴۳۶، ۴۳۷۔

۳۔ سید مقصود زاہدی، ''بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق''، مشمولہ 'یادوں کے سائے'، کاروان ادب، ملتان ۱۹۷۶ء، ص ۱۵۔

۴۔ i. ایم حبیب خان، مولوی عبدالحق اور انجمن ترقی اردو کا دہلی میں ورود، مشمولہ مولوی عبدالحق، ''ادبی ولسانی خدمات''، مرتبہ: ڈاکٹر خلیق انجم، جلد اول، انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۹۲ء، ص ۸۷۔

ii. مولوی عبدالحق نے سید ساجد علی کے نام خط میں ان دنوں کی مہمات کا ذکر ان لفظوں میں کیا۔ ''اس برعظیم پاک و ہند کا شاید ہی کوئی بڑا یا چھوا قصبہ ایسا ہو جس کی خاک مین نے نہ چھانی ہو، شہر اور قصبے تو میری جولاں گاہ تھے، پہاڑوں، جنگلوں، دریاؤں اور سمندروں کی بھی جی بھر کر سیر کی۔ جن دنوں مجھ پر اردو کا جن سوار تھا اور ہندی والوں اور کانگریسی حکومت سے معرکہ آرائی تھی، میں سچ مچ زمین کا گز بنا ہوا تھا۔ وہ دور عجیب وغریب تھا۔ اگر تحریر میں لاؤں تو الف لیلیٰ کی داستاں معلوم ہوگی۔'' ('قومی زبان، کراچی، اگست ۱۹۷۰ء، ص ۱۶۵، ۱۶۶)

۵۔ جلیل قدوائی، مرتبہ مکتوبات عبدالحق، مکتبہ اسلوب کراچی، ۱۹۶۳ء، ص ۶۷۔

۶۔ ضیاء الدین احمد برنی، عظمت رفتہ، تعلیمی مرکز کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۵۰۹۔

۷۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ''ڈاکٹر عبدالحق کے تحقیقی کارنامے''، مطبوعہ ماہنامہ مجلس، حیدرآباد دکن اکتوبر ۱۹۶۰ء، مولوی عبدالحق نمبر، ص ۱۲۱۔

۸۔ مولوی عبدالحق، ''نصرتی ملک الشعرائے بیجاپور کے حالات اور کلام پر تبصرہ''، انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۴۴ء، ص ۱۴۔

۹۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر، ''عبدالحق کے تنقیدی تصورات''، مطبوعہ ماہنامہ مجلس، حیدرآباد دکن اکتوبر ۱۹۶۰ء، مولوی عبدالحق نمبر، ص ۱۵۳۔

۱۰۔ ڈاکٹر گیان چند جین، ''ہندوستان میں اُردو تحقیق، مشمولہ، کھوج، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۹۰ء، ص ۲۰۱۔

۱۱۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''مولوی عبدالحق محقق، نقاد، قومی زبان کا حلیف ونقیب''، مطبوعہ نگار، پاکستان نومبر ۲۰۰۳ء، ص ۲۵۔

۱۲۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے خطوط کے گیارہ مجموعے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ دو مجموعے ''مکتوبات بابائے اُردو، بنام حکیم محمد امامی وڈاکٹر شبیر حسن خان، (۱۹۶۰ء) اور ''اُردوئے مصفیٰ'' مرتبہ: سید ابوتمیم فرید آبادی، (۱۹۶۱ء) مولوی صاحب کی زندگی میں شائع ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ''مکتوبات عبدالحق'' (مرتبہ: جلیل

قدوائی-۱۹۶۳ء)،''خطوط عبدالحق''(مرتبہ:محمد اکبرالدین صدیقی-۱۹۶۶ء)،''خطوط بنام حسام الدین راشدی'' (۱۹۶۴ء)''عبدالحق کے خطوط عبدالحق کے نام''(مرتبہ:افضل العلماء عبدالحق-۱۹۶۸ء)''خطوط عبدالحق''بنام ڈاکٹر عبداللہ چغتائی(مرتبہ:ڈاکٹر عبادت بریلوی-۱۹۷۷ء)''مکاتیب عبدالحق بنام مولانا محوی(مرتبہ:عبدالقوی دسنوی-۱۹۸۱ء)''خطوط عبدالحق بنام ڈاکٹر عبادت بریلوی''(مرتبہ:ڈاکٹر عبادت بریلوی-۱۹۸۴ء)''خطوط عبدالحق بنام آلِ احمد سُرور''(مرتبہ:آل احمد سُرور-۱۹۹۸ء)،''رقعات عبدالحق''(مرتبہ:بدرمنیرالدین،۲۰۰۴ء) شائع ہو چکے ہیں۔(بدرمنیرالدین نے''مولوی عبدالحق کے غیر مدوّن خطوط کی تدوین''کے موضوع پر بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے ۴۲۳(چارسوتئیس)خطوط جمع کر کے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ۱۹۹۷ء میں ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ایم فل کا یہ تحقیقی مقالہ''رقعات عبدالحق''کے نام سے شائع ہوا۔)

۱۳۔ نصیرالدین ہاشمی،ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور دکنیات''،مطبوعہ قومی زبان،کراچی،اگست۲۰۰۲ء،ص۳۷۔

۱۴۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ،''ڈاکٹر عبدالحق کے تحقیقی کارنامے''،مطبوعہ مجلس،حیدرآباد دکن،جنوری۱۹۶۱ء،مولوی عبدالحق نمبر ،ص۱۲۰۔

۱۵۔ جلیل قدوائی:''مکاتیب عبدالحق''(مرتبہ)،ص۴۰۔

۱۶۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی،''نئی تحریریں''،موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی،۱۹۸۶ء،ص۶۰،

۱۷۔ ایضاً،ص۶۱۔

۱۸۔ ڈاکٹر تنویر علوی:''مولانا عبدالحق کی تحقیقی تدوین''،مشمولہ''مولوی عبدالحق ادبی ولسانی خدمات''،جلد دوم،انجمن ترقی اُردو ہند،۱۹۹۳ء،ص۱۵۲۔

۱۹۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ:''ڈاکٹر عبدالحق کے تحقیقی کارنامے''،مشمولہ مجلس(دکن)،ص۱۲۰۔

۲۰۔ ڈاکٹر جمیل جالبی:''ادبی تحقیق''،مجلس ترقی ادب لاہور،۱۹۹۴ء،ص۱۹۔

۲۱۔ ڈاکٹر منظر اعظمی:''مولوی عبدالحق اُردو کا استعارہ''،مشمولہ''مولوی عبدالحق ادبی ولسانی خدمات''،جلد دوم،ص۱۳۱۔

۲۲۔ رشید احمد صدیقی:''گنج ہائے گراں مایہ''(دہلی،مکتبہ جامعہ،۱۹۷۶ء)ص۲۷۷۔

۲۳۔ رشید حسن خان:''ادبی تحقیق،مسائل اور تجزیہ''،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،۱۹۷۸ء،ص۱۱۳-۱۱۴۔